اسبابِ عروج وزوالِ امّت

(۴)

عبدالملک بن مروان کے بعد اس کا بیٹا ولید سریر آرائے خلافت ہوا۔ یہ اگرچہ باپ کی طرح صاحب علم وفضل تو نہیں تھا مگر طرز جہانبانی وفرمانروائی میں بہت ممتاز تھا۔ مذہبی زندگی بھی بہت سوں کیلئے درسِ عبرت کا موجب تھی، عبدالملک اپنے عہد میں عرب کی اندرونی بغاوتوں اور شورشوں کا خاتمہ کر ہی چکا تھا۔ ولید نے اس فرصت سے فائدہ اٹھایا اور خوش قسمتی سے اسے محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر اور قُتیبَہ بن مسلم ایسے بہادر اور مدبر سپہ سالار بھی مل گئے جنھوں نے اپنے شاندار کارناموں سے اسلامی تاریخ کو چار چاند لگا دیئے۔ چنانچہ قتیبہ بن مسلم نے خراساں، خوارزم، اور چینی ترکستان فتح کیا۔ محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا اور سخت ترین معرکوں کے بعد اس مہم کو سر کیا۔ موسیٰ بن نصیر نے اندلس کی سرزمین پر پہنچکر اسلامی حکومت وسلطنت کا پرچم لہرایا اس طرح چین سے اسپین تک کا علاقہ مسلمانوں کے زیرنگیں آگیا۔ ان فتوحات کے علاوہ ولید کو تعمیری کاموں کی طرف بھی بڑی توجہ تھی۔ اس نے نہایت عمدہ اور خوبصورت مسجدیں تعمیر کرائیں۔ فوج کی باقاعدہ تنظیم کی۔ تبلیغی ادارے قائم کئے اور مسلمانوں کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی۔ قرآن مجید کے درس کے لئے جگہ جگہ مکاتب قائم کئے اور علماء ومتعلمین کے وظائف مقرر کرکے ان کو فکرِ معاش سے آزاد کیا۔ اور گداگری کا انسداد کرکے مسلمانوں کو فرمان نبویؐ "السوال ذُلّ" پر عمل پیرا ہونے کا سبق دیا۔

قسطنطنیہ پر مسلسل ناکام حملے | جس طرح اندلس کی فتح سے اسلامی فتوحات کی تاریخ میں ایک نئے اور شاندار باب کا اضافہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کے سیاسی عروج کی ایک روشن دلیل ہے۔ اسی طرح مشرقی رومن امپائر

کے دارالسلطنت قسطنطنیہ کے معرکہ میں مسلمانوں کی ناکامیابیاں بھی اپنے اندر عبرت و بصیرت کی بہت سی داستانیں رکھتی ہیں۔ اندلس کی فتح کے ساتھ اس ناکامی کا حال پڑھکر اندازہ ہوگا کہ اس زمانہ میں کس طرح اسلامی فتوحات کی وسعت کے باوجود زوال و انحطاط بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ گویا جسم بہ ظاہر بہت توانا اور فربہ تھا۔ مگر روح اندرونی طور پر اضمحلال پذیر ہو رہی تھی۔ اسلئے کبھی کبھی کسی مادی ناکامی کی شکل و صورت میں اس کا اظہار ہوتا ہی رہتا تھا۔ اس بنا پر یہاں قسطنطنیہ کا محاصرہ اور اس کی ناکامی کا حال کسیقدر تفصیل سے بیان کرنا شاید بے موقع نہ ہوگا۔

قسطنطنیہ مشرقی یورپ کا دروازہ تھا۔ مسلمان اس کی اہمیت اور اس کو فتح کرنے کی ضرورت کو اچھی طرح جانتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے عہد میں (۳۲ھ مطابق ۶۶۳ء) امیر معاویہؓ ایک فوج لیکر روانہ ہوئے اور ایشیائے کوچک سے ہوتے ہوئے آبنائے باسفورس کے کنارہ تک پہنچ گئے۔ اسی زمانہ میں بسر بن ارطاۃ نے فونکس (Phoenix) پہاڑ کے سامنے رومی بیڑہ کو شکست فاش دی جس کی کمان شہنشاہ کونسٹین دوم کر رہا تھا۔ اس بحری جنگ میں بیس ہزار رومی سپاہی کھیت رہے۔ لیکن مسلمان فوج کے نقصانات بھی کچھ کم نہ تھے ان نقصانات کے باعث مسلمان اس کو فتح نہ کر سکے اور وہ واپس آگئے۔

اس کے بعد ۴۴ھ میں جبکہ امیر معاویہؓ کی خلافت تسلیم کی جا چکی تھی۔ اور دمشق بنو امیہ کا دارالسلطنت قرار پا چکا تھا قسطنطنیہ پر خشکی اور سمندر دونوں طرف سے حملہ ہوا۔ بری فوج کی کمان عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کر رہے تھے اور بحری بیڑہ حسب سابق بسر بن ارطاۃ کی کمان میں تھا۔ یہ بیڑہ بحر مارمورہ تک پہنچ چکا تھا لیکن موسم سرما کی شدت کے باعث یہاں کوئی کارروائی نہ کی جا سکی۔ اور مسلمانوں نے سردی کا موسم اناطولیہ میں گذارا۔ اس کے بعد ۴۸ھ میں حضرت معاویہؓ نے پھر بڑے ساز و سامان کے ساتھ حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ شام اور مصر کی بندرگاہوں میں فضیلۃ ابن عبید الانصاری کی قیادت میں ایک بڑا بحری بیڑہ متعین کیا

جو اناطولیہ کو عبور کرتا ہوا کلیسیڈون تک فتوحات حاصل کرتا چلا گیا۔ دوسرے سال یعنی ۴۹ھ میں سفیان بن عوف الازدی کی زیر قیادت پھر ایک بڑی فوج قسطنطنیہ کو فتح کرنے کیلئے بھیجی گئی۔ یزید بن معاویہ بھی اس لشکر میں شامل تھا۔ اور اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت ابوایوبؓ انصاری ایسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ بھی اس میں شریک تھے۔ اس بری فوج کے علاوہ بحری بیڑہ جس کی کمان بسر بن ارطاۃ کر رہا تھا رود بار دانیال کی موجوں کو چیرتا ہوا مشرقی رومن امپائر کے دارالسلطنت سے چند میل کے فاصلہ پر یورپین ساحل تک پہنچ گیا۔ گویا یہ کہنا چاہئے کہ مسلمان اس وقت قسطنطنیہ کی دیوار کے نیچے تھے۔ مشرقی امپائر کے شہنشاہ کو مسلمانوں کی ان عظیم الشان تیاریوں کا علم پہلے سے ہو چکا تھا اور اس بنا پر اس نے مقابلہ کی تیاریاں بھی بڑے پیمانہ پر کر رکھی تھیں۔ پھر رومی یوں بھی بڑے بہادر اور دلیر تھے، ان لوگوں نے قسطنطنیہ کی فصیل پر سے جو بہت اونچی تھی آگ برسانی شروع کر دی۔ مسلمان کئی دن تک اپنی بری اور بحری فوجوں کے ساتھ شہر کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔ اور ان دنوں میں صبح سے شام تک برابر حملے کرتے رہے حضرت ابوایوب انصاریؓ اور عبدالعزیز بن زرارہ کلبیؓ اس معرکہ میں شہید ہوئے۔ لیکن اس مرتبہ بھی قسطنطنیہ فتح نہ ہو سکا اور مسلمانوں کو ناکام لوٹنا پڑا۔ اب انھوں نے قسطنطنیہ سے اسّی میل کی مسافت پر اپنے ڈیرے خیمے ڈال دیئے اور کئی سال تک ان کا معمول یہی رہا کہ جاڑوں میں یہاں آجاتے تھے اور گرمیوں کے موسم میں پھر قسطنطنیہ کا محاصرہ کر کے اسے فتح کرنے کی سعی کرتے تھے۔ ان مسلسل ناکامیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہازوں کا، آدمیوں کا اور دوسرے ساز و سامانِ جنگ کا شدید نقصان برداشت کرنا پڑا۔ آخر کار ۵۸ھ میں یہ لشکر واپس آگیا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ان لڑائیوں میں تیس ہزار فدا کارانِ اسلام کی جانوں کا نقصان ہوا۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ ان پیہم شکستوں نے جہاں رومیوں کے حوصلے بڑھا دیئے۔ ان سے مسلمانوں کی عظمت کو بھی کچھ کم نقصان نہیں پہنچا۔ آخر کار امیر معاویہؓ نے رومیوں سے ایک معاہدہ کر لیا جو چالیس سال تک قائم رہا۔

قسطنطنیہ کے محاصرہ میں مسلمانوں کو جو مسلسل ناکامیاں اٹھانی پڑی تھیں وہ کوئی ایسی معمولی

چوٹ نہ تھی جس کا اثر امتدادِ ایام کے ہاتھوں مٹ جاتا۔ بلکہ اسلامی فوج کے دل وجگر پر ایک ایسا داغ تھا جو رہ رہ کے ابھرتا تھا اور ان کو بیقرار کر جاتا تھا۔ چنانچہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں جب موسیٰ بن نصیر اندلس کی مہم سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہو گیا تو اس نے چاہا کہ وہ اپنا رخ مغرب سے مشرق کی طرف کر دے اور اس طرح قسطنطنیہ ہوتا ہوا دمشق پہنچے تاکہ عیسائیت اور عیسائی حکومت دونوں کا اقتدار یک وقت ختم ہو سکے لیکن دربارِ خلافت کی طرف سے موسیٰ کو اس کی اجازت نہیں ملی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی فتوحات فرانس کے جنوب تک ہی محدود ہو کر رہ گئیں۔

سلیمان عبدالملک کا زمانہ | ولید کی وفات کے بعد اس کا حقیقی بھائی سلیمان تختِ خلافت پر ۹۶ھ مطابق ۷۱۵ء میں متمکن ہوا۔ اس وقت بنوامیہ کی حکومت اندرونی بغاوتوں اور شورشوں سے مامون تھی۔ سیاسی فتوحات نے حوصلے بلند اور ہمتیں مستحکم کر دی تھیں اعلیٰ تربیت یافتہ اور منظم فوجِ گراں موجود تھی۔ اسلحہ اور سازوسامانِ جنگ کی بھی کمی نہ تھی۔ پھر دوسری طرف بازنطینی حکومت میں طوائف الملوکی پیدا ہو چلی تھی۔ بیس برس کی قلیل مدت میں چھ قیصر تخت نشین ہوئے اور معزول کر دیئے گئے تھے۔ بلغاری اور سلافی (Sclavoniana) شمالی صوبجات کو پامال کر کے دارالسلطنت کی دیواروں تک پہنچ چکے تھے اور دوسری جانب عرب ایشیائے کوچک میں سے گذر کر اپنی فتوحات کا دامن آبنائے باسفورس کے ساحل تک پھیلا چکے تھے، خود اندرونِ ملک شورشیں اور بغاوتیں برپا تھیں۔ اس صورتِ حال کو اپنے موافق دیکھکر سلیمان بن عبدالملک نے قسطنطنیہ پر از سرِ نو حملہ کرنے کا ارادہ کیا اس مقصد کیلئے سلیمان نے بری اور بحری فوجیں بڑی بھاری تعداد میں مہیا کیں۔ اور ان کو طرح طرح کے سامان اور اسلحۂ جنگ سے آراستہ و پیراستہ کر کے اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کی زیرِ قیادت روانہ کیا، خود دابق میں ٹھہر گیا اور بھائی کو ہدایت کر دی کہ یا تو قسطنطنیہ فتح کرنا ورنہ وہیں مقیم رہ کر میری دوسری ہدایات کا انتظار کرنا۔ ۹۸ھ کے آغاز یعنی ستمبر ۷۱۶ء میں مسلمہ نے اناطولیہ کے مرتفع میدانوں کو پامال کیا اور کئی ایک بازنطینی قلعے اور شہر فتح کر لئے۔ اس کے بعد

اناطولیہ کے دارالسلطنت عموریہ کا رخ کیا اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ عموریہ کا گورنر ایک شخص لیو (Leo) تھا جو بڑا بہادر، حوصلہ مند اور چالاک تھا۔ اس نے مسلمہ سے صلح کرلی۔ مگر پھر قیصر کو معزول کرکے خود قسطنطنیہ کے تخت وتاج کا مالک بن بیٹھا۔ مسلمہ نے نہایت بہادری اور ہمت سے ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کا رُخ کیا۔ بازنطینی مورخین کا اندازہ ہے کہ اس وقت خشکی اور سمندر کی جانب سے مسلمانوں کی جو فوج قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے جمع ہوگئی تھی اس کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار تک پہنچتی تھی۔ سلیمان دابق بیں بیٹھا ہوا برابر امدادی فوجیں اور ضرورت کی چیزیں بھیج رہا تھا اور مسلمانوں کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی آرزو میں بار بار

سینہ شمشیر سے باہر تھا دم شمشیر کا

مسلمہ نے بحر مارمورہ کے ساحل ساحل چلکر اپنی بری اور بحری دونوں فوجوں کے ساتھ قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور منجنیقوں سے گولہ باری شروع کردی۔ یہ محاصرہ بہت دنوں تک جاری رہا۔ لیکن اسوقت بھی قدرت کو منظور نہ تھا کہ مسلمان فاتح وفائز المرام ہوکر لوٹیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو اس محاصرہ میں بھی شدید نقصانات اٹھانے پڑے۔ پھر سردی بھی اس سال اس قدر شدید ہوئی کہ عرب اس کو برداشت نہ کرسکتے تھے ہزاروں مرگئے۔ اور ہزاروں سخت بیمار ہوکر جنگ کے قابل نہ رہے۔ ادھر سامانِ رسد جو ساتھ تھا وہ بھی ختم ہوگیا تھا۔ اسی اثنار میں سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے آپ کو ان حالات کا علم ہوا تو مسلمہ کو حکم بھیجا کہ قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھالیا جائے اور اسلامی فوجیں واپس لوٹ آئیں۔ چلتے چلتے ایک اور ستم یہ ہوا کہ یونانیوں نے ایڈریانوپل کی اسلامی فوج کے بقیہ بحری دستوں پر حملہ کردیا جس کے باعث بہتیرے جہاز غرق ہوگئے صرف چند ایک جو بچ رہے تھے شام کی بندرگاہ تک پہنچ سکے۔

اس مرتبہ کی ناکامی ایسی حوصلہ شکن تھی کہ اس کے بعد سے نویں صدی ہجری کے نصف ثانی تک یہ مہم سر نہ ہوسکی۔ یہانتک کہ ۸۵۷ھ میں یعنی مذکورہ بالا معرکہ سے کامل آٹھ سو سال بعد ترکوں نے اسکو فتح کیا

اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اگر اس وقت مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے ہوتے تو آج تاریخ یورپ بالکل ہی بدلی ہوئی ہوتی اور مصر و شام و عراق کی طرح یہاں کی آبادی کا بھی اکثر و بیشتر حصہ فرزندانِ توحید پر مشتمل ہوتا۔ لیکن

یُرِیدُ المرءُ ان یُعطیٰ مُناہ ✤ ویابی اللہُ الّا ما یشاءُ

ترجمہ:۔ آدمی چاہتا ہے کہ اس کو اس کی مراد ملجائے۔ لیکن اللہ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

ناکامی کے اسباب | مورخین نے ان اہم معرکوں میں ناکامی کے مختلف وجوہ و اسباب بیان کئے ہیں مثلاً ایک یہ کہ عربوں کو بحری جنگ کا کامل تجربہ نہ تھا (۲) مسلمۃ بن عبدالملک نے عموریہ کے گورنر لیو پر اعتماد کر کے غلطی کی اور اسے اپنا ہمراز بنالیا۔ (۳) موسم کی شدت عربوں کیلئے ناقابلِ برداشت تھی۔ (۴) رومیوں کے پاس طاقت و قوت زیادہ تھی اور اسلحہ بھی بعض نئی قسم کے تھے۔

مادی اعتبار سے یہ اسباب مسلمانوں کی ناکامی میں موثر ہوسکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان اسباب کے علاوہ ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان امراء جو اس وقت اسلامی فوج میں نمایاں اثر رکھتے تھے روحانی اعتبار سے کسی بڑی عظمت کے مالک نہیں تھے۔ تشدد۔ جبر و ظلم۔ استبداد اور سخت گیری خلفاء سے لیکر معمولی درجہ کے عُمّال و وُلاۃ تک کا شیوہ تھی۔ مسلمان تو مسلمان خود غیر مسلم بھی اس چیز کو محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے مسیحی بادشاہ نے چوتھی صدی ہجری میں خلیفہ عباسی کے نام جو ایک منظوم خط عربی میں لکھا تھا اس میں وہ کہتا ہے۔

الا شمّروا یا اھلَ بغداد وَیلکُمْ ✤ فَمُلکُکُمْ مُسْتَضعَفٌ غیرُ دائِمٖ
نعودوا الیٰ ارضِ الحجازِ اَذِلّۃً ✤ وخلّوا بلادَ الرّومِ اھلَ المکارِمِ
ملکنا علیکم حین جارَ قویّکُمْ ✤ وعَامَلْتُمْ بالمنکراتِ العظائِمِ
قضاتُکم باعوا جھاراً قضاءَ ھُمْ ✤ کبیعِ ابنِ یعقوبَ ببخسٍ دراھِمِ

ترجمہ:۔ اے اہلِ بغداد تمہارے لئے تباہی ہے تم بھاگنے کیلئے مستعد ہوجاؤ۔ کیونکہ تمہارا ملک ضعیف اور ناپائدار ہے تم ذلیل ہوکر ارضِ حجاز کی طرف واپس چلے جاؤ۔ اور ذی عزت رومیوں کے شہروں کو خالی کردو۔ ہم تم پر غالب سوقت ہوئے جبکہ تمہارے قوی نے ضعیف پر ظلم کیا اور تم اعمالِ شنیعہ کرنے لگے۔ تمہارے قاضی اپنے فیصلوں کو اس طرح بیچنے لگ جس طرح یوسف علیہ السلام چند دراہم میں بیچے گئے تھے۔

خلیفۂ عباسی نے ان اشعار کا جواب اس زمانہ کے مشہور عالم اور ادیب قفال مروزی سے لکھوایا تھا۔ دیکھئے جواب میں کس صفائی کے ساتھ امرِ حق کا اعتراف کیا گیا ہے فرماتے ہیں۔

وقلتم ملکنا بجور قضاتکم   وبیعھم احکامھم بالدراھم

وفی ذاک اقرار بصحۃ دیننا   وانا ظلمنا فابتلینا بظالم

ترجمہ:۔ تم کہتے ہو کہ ہم (عیسائی) اس وجہ سے تم پر غالب آگئے کہ تمہارے قاضی ظلم کرتے تھے۔ اور وہ اپنے فیصلوں کو دراہم کے بدلہ میں فروخت کردیتے تھے ہاں یہ صحیح ہے۔ لیکن اس میں تو ہمارے دین کی سچائی کا اقرار ہے کہ ہم نے ظلم کیا تو ہمارا واسطہ ظالموں سے پڑگیا۔

سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں محاصرۂ قسطنطنیہ کے ناکام ہونے سے دوسو برس بعد ایک عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں کی ناکامی کا جو سبب بتایا تھا یعنی عُمّال و حُکّام کا ظلم و جور، اور دینِ قیم کے احکام سے انحراف۔ دیکھئے یہ کس طرح مسلمانوں کی پوری تاریخ میں شروع سے آخر تک کارفرما ہے"۔ بابر نے ہندوستان پر پے بہ پے حملے کئے۔ مگر جب تک وہ

نوروز و نوبہار و مے و دلربا خوش است   بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

پرعامل رہا فتح حاصل نہ کرسکا۔ پھر جب اس نے پیمانۂ وسبو کو توڑ کر ان تمام رندانہ بدمستیوں سے توبہ کرلی تو فتح و ظفر نے بھی آگے بڑھکر اس کے قدم چوم لئے۔

یہی سلیمان بن عبدالملک ہی جس کو حسنِ سیرت میں ایک خاص امتیاز کا مالک سمجھا جاتا ہی لیکن

ساتھ ہی اس کے جبر و تشدد اور استبداد و انتقام کا یہ عالم ہے کہ اس نے قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم ایسے نامور سپہ سالارانِ اسلام کو ان کی حسنِ خدمات کے باوجود قتل کرا دیا اور محض اس بنا پر کہ ان کے متعلق اس بات کا گمان تھا کہ یہ لوگ ولید کے بعد اس کے بیٹے کو خلیفہ بنانے اور سلیمان کو خلافت سے محروم رکھنے کی رائے رکھتے تھے۔ موسیٰ بن نصیر نے بے شبہ اندلس کو فتح کر کے اسلام کی ایک عظیم الشان خدمت انجام دی تھی اور اس بنا پر وہ ہر طرح لائق تحسین و آفرین تھا۔ مگر یہ غریب بھی شاہی عتاب سے نہ بچ سکا۔ یہاں تک کہ اس کا بیٹا عبدالعزیز تو قتل ہی کر دیا گیا۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض بعض عمّال ایسے بھی تھے جنھوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اس طرح وہ دربارِ خلافت سے باغی ہو گئے۔ لیکن یہ قصور بھی کس کا ہے؟ جب خلفاء میں استبداد عام ہو جائے پھر عمال سے بھی اس قسم کے اعمال کا صدور مستبعد نہیں رہتا۔

سلیمان کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو چونکہ آپ ملکِ عادل اور خلفاءِ راشدین کے طرز کے خلیفہ تھے اس لئے آپ نے اس حقیقت کو اچھی طرح محسوس کر لیا کہ اصل چیز خود اپنے نفس کا تذکیہ اور اپنے اعمال و افعال کی اصلاح ہے۔ ملکی فتوحات مقصود بالذات نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی غرض و غایت یہ ہے کہ کلمۂ حق عالمگیر ہو اور کوئی طاقت اس کی اشاعت میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ اس بنا پر آپ نے اپنی مختصر مدتِ خلافت میں اپنی تمام تر توجہ عمّال و حکّام اور امراء و ولاۃ کی اصلاح کی طرف مبذول رکھی۔ اور آپ نے اس پر زور دیا کہ مسلمان ایمان و عمل کے اعتبار سے سچے اور حقیقی مسلمان بن کر زندگی بسر کریں۔ اس سلسلہ میں آپ نے سب سے پہلے خاندانِ شاہی کے افراد کو جمع کر کے ان سے فرمایا کہ میرا خیال ہے امتِ مرحومہ کا نصف یا دو تہائی حصہ تم لوگوں کے قبضہ میں ہے تم اسے ان لوگوں کو واپس کر دو جن سے یہ لیا گیا ہے۔ بنو مروان بھلا اس کو کب ماننے والے تھے، بگڑ بیٹھے اور بولے ہمارے سر قلم ہو جائیں گے لیکن یہ املاک واپس نہیں ہو سکتے۔ ہم نہ اپنے آباؤ اجداد کو کافر بنانا پسند کرتے ہیں اور نہ اپنے بچوں کو مفلس و

کنگال۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تغلب اور خیانت کی لعنت کا خاتمہ کردینے کا عہد کر رکھا تھا فرمایا "خدا کی قسم! اگر تم ایسا نہیں کروگے تو میں تم کو ذلیل و خوار کرکے چھوڑ دونگا" اسی مہم کو کامیاب بنانے کیلئے ایک مجمع عام میں یہ تقریر کی۔

"اموی خلفا نے ہم لوگوں کو ایسی جاگیریں اور جائدادیں دی ہیں جن کے دینے کا اُن کو اور ہم کو ان کے لینے کا کوئی حق نہیں تھا، میں ان سب جاگیروں کو ان کے اصلی حقداروں کے نام واپس کرتا ہوں اور خود اپنی ذات اور اپنے خاندان سے اس کا آغاز کرتا ہوں"۔

اس تقریر کے بعد آپ نے اپنی کل جاگیر واپس کردی۔ یہانتک کہ ایک نگینہ بھی نہ رہنے دیا۔ بعض حضرات نے سمجھایا کہ آپ کے بعد آپ کی اولاد کا کیا انتظام ہوگا؟ ارشاد فرمایا "میں ان سب کو خدا کے حوالہ کرتا ہوں"۔ آپ کی بیوی فاطمہ عبدالملک کی بیٹی تھیں ان کو باپ نے ایک یاقوت دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا "تم یا تو اس یاقوت کو بیت المال میں داخل کردو، ورنہ مجھ سے ترک تعلق کرنے پر آمادہ ہوجاؤ"۔ اپنی اور اپنے خاندان کی جاگیروں کو واپس کردینے کے بعد آپ نے تمام عمّال و حکام کو بھی تہدیدی خطوط کے ذریعہ تاکید کی کہ وہ تمام مغصوبہ اور بجبر وصول کئے ہوئے اموال کو واپس کردیں۔ اور آئندہ کے لئے اس طرح کی بے عنوانی کرنے سے مجتنب رہیں۔ آپ کے ان احکام کا اثر یہ ہوا کہ مال و جائداد اور نقد غرض یہ کہ ایک حبّہ بھی جو کسی نے ناجائز طور پر وصول کیا تھا اصلی حقدار کو واپس کردیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی یہ اصلاح نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ تاریخ عالم میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اس سے اس امر کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ امت مرحومہ کا اصل مرض پہچان گئے تھے اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ کسی حکومت کا کوئی گناہ اس سے بڑھکر خطرناک اور تباہ کن نہیں ہوسکتا کہ اس کے عمائد۔ امراء۔ اور حکام و ارکین رعایا کے اموال میں مطلق العنانی کے ساتھ جا و بیجا تصرف کریں اور کوئی ان سے باز پرس کرنیوالا نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو فتح ممالک کی طرف زیادہ

توجہ نہیں تھی۔ وہ تذکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کو اصلاً ضروری اور سب سے اہم سمجھتے تھے اور اسی پر انھوں نے اپنی توجہ مرکوز رکھی۔

خلفاء بنی امیہ اپنے جبر و تشدد اور خلافتِ راشدہ کے منہاج پر قائم نہ رہنے کے لئے عذر یہ پیش کرتے تھے کہ اب لوگ بھی ایسے نہیں رہے ہیں جیسے کہ خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان نے خود یہی خیال صاف لفظوں میں ظاہر کیا تھا۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ان باتوں کے قائل نہیں تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بادشاہ کی مثال ایک بازار کی سی ہے جس میں وہی چیزیں لائی جاتی ہیں جن کی بازار میں مانگ ہوتی ہے۔ اگر بادشاہ خود نیک ہوگا تو رعایا بھی نیک ہوگی اور اگر وہ نیک نہیں ہے تو رعایا بھی نیک نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ ایک مرتبہ امام اوزاعی نے عباسی خلیفہ منصور کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بادشاہ چار قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو خود بھی ضبطِ نفس کرتا ہے اور اپنے عمّال کو بھی اس کی تاکید کرتا ہے۔ یہ بادشاہ درحقیقت اللہ کے راستہ کا مجاہد ہے۔ اس کو ایک نماز کا ثواب ستر ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ملیگا اور اللہ کی رحمت کا ہاتھ ہمیشہ اس کے سر پر سایہ فگن رہیگا۔ دوسری قسم کا بادشاہ وہ ہے جو خود بھی رعایا کے اموال میں خورد برد کرتا ہے اور اپنے عمّال کو بھی اس نے ایسا کرنے کیلئے مطلق العنان چھوڑ دیا ہے یہ بادشاہ سخت ترین گناہگار ہے۔ اس کو اپنے گناہوں کا خمیازہ تو بھگتنا پڑیگا ہی۔ اس کے عمّال کے گناہ کی باز پرس بھی اس سے ہوگی، تیسری قسم بادشاہ کی یہ ہے کہ خود تو کفِ نفس کرے مگر عمّال کو اس نے جبر و تشدد کے لئے آزاد چھوڑ رکھا ہو۔ یہ بادشاہ بڑا ہی بدنصیب ہے کہ دوسروں کی دنیا کے بدلہ میں اپنی آخرت بیچتا ہے۔ چوتھی قسم کا بادشاہ وہ ہے جو خود تو بہت ہی غیر محتاط ہے مگر عمال کو محتاط رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ امام اوزاعی نے فرمایا

فذاک شر الاکیاس "یہ تو بہت ہی بری فرزانگی ہے"

امام اوزاعی کی اس تقسیم کے مطابق کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا شمار پہلی قسم کے بادشاہوں

میں ہے۔ آپ نے خود بھی ورع و تقویٰ اور احتیاط و پرہیزگاری کی زندگی بسر کی اور اپنے عمال کو بھی مجبور کیا کہ وہ شریعتِ اسلام کے مطابق ہی لوگوں سے معاملہ کریں۔ جس کسی نے اس حکم سے سرتابی کی آپ نے اس کو سزا دی۔ چنانچہ یزید بن مہلب عرب کا نامی گرامی امیر تھا۔ مگر جب وہ مالیہ کی نسبت اپنی صفائی پیش نہیں کر سکا تو آپ نے اس کو قید کر دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے چاہا تھا کہ مسلمانوں کا نظامِ حکومت تمام مفاسد و ذمائم سے پاک و صاف ہو کر پھر اپنی اسی اصلی شکل و صورت کے ساتھ قائم ہو جائے۔ لیکن افسوس کہ آپ کا عہدِ خلافت بہت ہی مختصر تھا آپ کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا مگر وہ اس روش کو برقرار نہ رکھ سکا۔ اس نے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے کچھ دنوں بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مقرر کئے ہوئے عمّال کو یکقلم معزول کر دیا۔ اور اپنے عمّال کو صاف لفظوں میں لکھدیا کہ "عمر بن عبدالعزیزؒ کی جو پالیسی تھی وہ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ان کے طرزِ عمل سے خراج اور ٹیکس کی مقدار میں بہت کمی آگئی ہے۔ اس لئے تم لوگ پھر اسی دورِ قدیم کا سا معاملہ کرنا شروع کر دو۔ اس میں لوگ سرسبز و شاداب رہیں یا قحط زدہ ہو جائیں۔ اس طرزِ عمل کو پسند کریں یا ناپسند۔ بہرحال تم کسی بات کی پروا نہ کرو۔"

یزید نے اس سے بھی بڑھکر ستم یہ کیا کہ مسجدوں کے منبروں پر حضرت علیؓ کی شان میں گستاخانہ کلمات بکنے کا جو رواج پہلے سے چلا آرہا تھا اور جس کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سختی سے بند کرا دیا تھا۔ یزید نے پھر اس ننگِ انسانیت رواج کو جاری کر دیا جس سے پھر بنو ہاشم اور ان کے ہواخواہوں کے دلوں پر تیر و سنان چلنے لگے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی چارہ سازی سے جن زخموں پر کھرنڈ جمنے لگے تھے وہ پھر ہرے ہو گئے۔

چار سال ایک ماہ کی خلافت کے بعد شعبان ۱۰۵ھ میں یزید بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا تو اس کی وصیت کے مطابق اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک سریر آرائے خلافت ہوا۔ ہشام فہم و تدبر اور سیاست و فرزانگی میں ایک خاص امتیاز کا مالک تھا۔ اس حیثیت سے خلفاء بنی امیہ میں اس کو وہی مقام

حاصل ہے جو امیر معاویہ اور عبدالملک بن مروان کو حاصل تھا۔ روپیہ پیسہ خرچ کرنے میں بڑا محتاط تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کو اس پر بخل کا دھوکہ ہوتا تھا۔ مال جمع کرنے کا شوق ضرور تھا۔ عمّال کے متعلق اس کی روش تقریباً وہی تھی جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تھی۔ اہل بیت اطہار کے ساتھ محبت کا مدعی تھا۔ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ عمر بن ہبیرۃ گورنر عراق کو ہشام نے گورنری سے معزول کرکے جو قتل کرادیا تھا اس کا سبب منجملہ دیگر وجوہ کے ایک یہ بھی ہے کہ ابن ہُبیرۃ خاندانِ نبوت کی شان میں سب وشتم کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک روایت ہے کہ ۱۰۶ھ میں حج کے موقعہ پر سعید بن عبداللہ بن الولید بن عثمان ہشام سے ملا اور خواہش ظاہر کی کہ حضرت علیؓ پر لعنت کرنے کی اجازت دیدی جائے۔ ہشام یہ سنکر سخت غضبناک ہوگیا اور بولا "ہم کسی پر شتم کرنے نہیں آئے ہیں۔ ہم تو یہاں صرف حج کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں"[1]

مورخین کا بیان ہے کہ ٹیکس اور خراج وغیرہ کی رقوم کے وصول کرنے اور تقسیم کرنے کا جتنا اچھا نظام ہشام بن عبدالملک کے عہد میں تھا کسی اور خلیفہ کے عہد میں نہیں تھا۔ ان تعمیری اور انتظامی کارناموں کے علاوہ فتوحات کے اعتبار سے بھی ہشام کا زمانہ بنی امیہ کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ اس کے عہد میں پھر خوارج نے سر اٹھایا تھا۔ اس نے سرکوبی کرکے ان کا بالکل ہی خاتمہ کردیا۔ سندھ محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہوچکا تھا۔ مگر یہاں کے بعض علاقوں میں پھر بغاوت وسرکشی کا طوفان امنڈ رہا تھا۔ ہشام نے اپنے نامی گرامی سپہ سالار فوج جنید کو بھیجکر ان بغاوتوں کا استیصال کرایا۔ ایشیا کوچک میں متعدد فتوحات حاصل کیں۔ اندلس میں انتظامی اعتبار سے جو بعض خرابیاں پیدا ہوچلی تھیں ان کی اصلاح کرکے وہاں کی فضا کو ہموار کیا۔ شمالی افریقہ کی بربر قوم حسب عادت پھر سرکش ہوگئی تھی۔ اس کی طاقت کو زیر وزبر کیا۔ فرانس پر متعدد حملے ہوئے۔ غرض یہ ہے کہ اسلام کی سیاسی طاقت ومرکزیت کو متعدد

---

[1] مگر تعجب ہے کہ اس کے باوجود ہشام بن عبدالملک فرزدق کی زبان سے امام زین العابدینؒ کی شان میں وہ قصیدہ نہیں سن سکا جس کا ذکر مضمون کے گذشتہ نمبر میں آچکا ہے۔

اسباب و وجوہ سے جو خطرات لاحق ہو گئے تھے۔ ہشام نے اپنی فہم و فراست۔ عزم و حزم اور ہمت و حوصلہ سے کام لیکر ان کا مقابلہ انتہائی پامردی اور عالی حوصلگی کے ساتھ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بحیثیت ایک قوم کے اپنی سیاسی عظمت کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہ سکے۔ پھر چونکہ ہشام علمی لحاظ سے خود بھی رند مشرب یا لاابالی مزاج نہیں تھا۔ اور مذہبی تعلیم و تبلیغ کا اہتمام بھی کافی کرتا تھا علماء اور فقہاء کا قدردان تھا اس بنا پر سیاسی عظمت و برتری کے ساتھ دینِ قیم کے عقائد و احکام کی اشاعت بھی وسیع پیمانہ پر ہوتی رہی اور مسلمانوں کیلئے عروج کا پھر ایک ذریعہ پیدا ہو گیا۔

لیکن ہشام کو بنو امیہ کا آخری خلیفہ سمجھنا چاہئے جس نے اسلام کی سیاسی مرکزیت کو اپنی سیاست و تدبیر کے مضبوط ہاتھوں سے تھامے رکھا۔ اس کی مدتِ حکومت پندرہ سال ہے۔ اس کے بعد آخری خلیفہ مروانِ ثانی تک جتنے خلفاء ہوئے ان میں کوئی یا تو بالکل ہی نالائق اور نا اہل تھا۔ یا ذاتی اوصاف کے لحاظ سے تو نیک تھا مگر اس میں سیاست و تدبیر اور ہمت و جرأت کا فقدان تھا جس کے باعث وہ وقتی اور ہنگامی شورشوں کا سدباب نہ کر سکا۔ چنانچہ ہشام کے بعد یزید بن عبد الملک کا بیٹا ولید خلیفہ ہوا جس کو یزید خود اپنی زندگی میں ولیعہد بنا گیا تھا۔ یہ پرلے درجہ کا فاسق و فاجر اور ظالم و جابر تھا، بادۂ رنگین اور نغمۂ شیریں کے علاوہ اس کو کسی اور چیز سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ہشام اسکی رندانہ بدمستیوں کو دیکھکر چاہتا تھا کہ اس کے علاوہ کسی اور کو اپنا جانشین بنا دے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اس بنا پر ولید نے ہشام کے بعد اس کی اولاد اور اس کے عمّال و حکّام سے شدید انتقام لیا، متعدد با اثر اصحاب قتل کئے گئے مُضر اور نزار کے قبیلوں کی باہمی آویزش جو دب ہم پڑ گئی تھی پھر تازہ ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ۱۲۶ھ میں یعنی ولید کی تخت نشینی سے ایک سال بعد یزید بن ولید تخت نشین ہوا۔ یہ خود عبادت گذار تھا۔ مگر انتظامی قابلیت کم تھی۔ اسی لئے اس کو یزید الناقص کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے تخت نشین ہوتے ہی مخالفتوں اور بغاوتوں کا ایک کوہِ آتش فشاں پھٹ پڑا۔ عرب کے مُضری قبائل اس کے

سخت مخالف تھے۔ انھوں نے شورش برپا کردی۔ اُدھر حمص اور فلسطین میں بغاوت کے شرارے بلند ہوئے۔ اگرچہ عارضی طور پر ان پر قابو حاصل کیا جا سکا لیکن ان کا استیصال کلّی نہ ہو سکا۔ یہانتک کہ آخری خلیفہ مروان ثانی کے عہد میں یہ ہی چیزیں جو قطرہ قطرہ ہو کر جمع ہو رہی تھیں ایک سیلابِ بلا بنکر امنڈ پڑیں اور اموی حکومت کے جاہ وجلال کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔

مورخ طبری کا بیان ہے کہ مروان سن رسیدہ اور تجربہ کار تھا اس کے علاوہ حزم ودوراندیشی سے بھی بے بہرہ نہ تھا۔ لیکن بدنصیبی سے اس کو تختِ حکومت اس وقت ملا جبکہ ملک میں عام بدنظمی اور شورش بپا تھی۔ ایک طرف خود اُموی خاندان میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ شام میں متعدد سیاسی پارٹیاں تھیں جو باہم دست وگریباں تھیں۔ اُدھر خراسان عباسی دعوت کا مستقر اور مرکز بنا ہوا تھا۔ ان تحریک کو اب اور بھی ابھرنے اور برروئے کار آنے کا موقع مل گیا۔ خوارج یمن میں اپنی منتشر طاقتوں کو جمع کر رہے تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھکر ان کو بھی یہ حوصلہ ہوا کہ یمن سے نکلکر مکہ اور مدینہ میں اپنے عقائد کی دعوت وتبلیغ شروع کردی مروان نے ان کے مقابلہ کیلئے ایک لشکرِ جرار روانہ کیا۔ جس نے حجاز میں اور یمن میں گھسکر ان سے شدید جنگ کی اور ان کے ہزاروں آدمیوں کو تہ تیغ کردیا۔ عباسی دعوت کا ہیرو اور سپہ سالار ابومسلم خراسانی تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ بنوامیہ کی بہت بڑی طاقت خوارج سے جنگ کرنے میں مشغول ہے تو ایک لاکھ انسانوں کی منظم فوج جمع کرکے پہلے خراسان پر باقاعدہ قبضہ کیا۔ اس کے مختلف علاقوں کا انتظام اپنے متعدد لوگوں کے سپرد کردیا۔ پھر قحطبہ نامی ایک بہادر جرنیل کی کمان میں ایک لشکرِ گراں عراق عجم کو فتح کرنے کیلئے روانہ کیا۔ اموی حکومت کا اقتدار ختم ہو چکا تھا اسلئے رے، اصفہان اور نہاوند وغیرہ مقامات پر معمولی لڑائیوں کے بعد قحطبہ کی فوج کا قبضہ ہو گیا۔ موصل اور اربل کے درمیان زابِ اعلیٰ کے کنارہ پر خود ایک فوجِ گراں لئے پڑا تھا۔ یہاں دونوں میں گھمسان لڑائی ہوئی۔ مروان شکست کھا کر بھاگا۔ شام کے لوگوں سے بہت کچھ توقعات تھیں مگر ان لوگوں نے اسکی کوئی مدد نہیں کی۔ بلکہ اس کی شکستہ حالی کو دیکھکر اور الٹا اثر یہ ہوا کہ

جہاں جہاں اس کی حکومت کے معاون و مددگار تھے قتل کر دیئے گئے۔ چنانچہ مصر والوں نے اپنے گورنر کو اور اہلِ حمص نے گورنرِ حمص کو سپردِ تیغ کر دیا۔ اہلِ مدینہ نے کم از کم یہ کیا کہ مروان کے مقرر کئے ہوئے عامل کو قتل نہیں کیا بلکہ صرف مدینہ سے نکال باہر کیا۔ غرض کہ زمین کی وسعتیں اس پر تنگ ہو گئی تھیں۔ نزاری جن پر اس کو بڑا اعتماد تھا وہ بھی بے مروتی کر رہے تھے۔ محروم و مایوس ہو کر دمشق اور فلسطین ہوتا ہوا مروان مصر پہنچا۔ عباسی لشکر پیچھے سے تعاقب میں آ ہی رہا تھا۔ یہاں مروان نے چند ساتھیوں کے ساتھ پھر کچھ مقابلہ کیا۔ مگر یہ مقابلہ ایک مرغِ بسمل کی پر افشانی سے زیادہ وقیع نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مارا گیا۔ اور اس کے مٹتے ہی اموی حکومت کا چراغ بھی ۱۳۲ھ میں بالکل ہی گل ہو گیا۔

بنو امیہ کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں جن سے یہ اندازہ ہو گا کہ اسلام کی حقیقی روح کے اضمحلال کے ساتھ ساتھ کس طرح اس کے عروج کے اسباب بھی بہم پہنچتے رہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہانتک ایمان اور عمل کے حقیقی معیار کا تعلق ہے اس دور کے مسلمانوں کو عہد صحابہ کے مسلمانوں کے ساتھ بحیثیت مجموعی کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی ایک ناقابلِ فراموش حقیقت ہے کہ اگر اس عہد کے مسلمانوں کا بحیثیت ایک قوم کے دنیا کی دوسری متمدن قوموں کے ساتھ مقابلہ و موازنہ کیا جائے تو یہ بات صاف نمایاں ہو گی کہ مسلمان اپنے عقائد و افکار، اعمال و اخلاق، معاشرت و معاملات کے اعتبار سے اب بھی دنیا کی بہترین قوم تھے۔ ان میں اسلام کی واقعی روح مضمحل تھی مگر مردہ نہیں ہوئی تھی۔ ان کی حیرت انگیز جانبازیوں میں کچھ نہ کچھ دنیا طلبی کا دخل ہو تو ہو مگر وہ تھوڑے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے جذبہ سے بے بہرہ نہ تھے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اگر مسلمانوں میں وحدتِ اجتماعی نہ ہوتی تو ان کو چین، ہندوستان، افریقہ، اور اندلس میں وہ شاندار کامیابیاں ہرگز نہیں ہو سکتی تھیں جو انھوں نے حاصل کیں۔ اور اس وحدتِ اجتماعی کا دارومدار کسی قبائلی یا خاندانی رشتہ پر نہیں تھا بلکہ اسلام کے اس تعلق پر تھا جس نے افریقہ اور چین کے مسلمانوں کو ایک سلک میں منسلک کر دیا تھا۔

پھر بنو امیہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تہذیب کو خالص عربی تہذیب رکھا۔ ایرانی یونانی ترک اور تاتار، ہندی اور چینی غرض یہ کہ دنیا کی مختلف قومیں مسلمان ہو کر عربوں کے ساتھ رہنے سہنے لگی تھیں لیکن عربوں کی تہذیب نے نومسلم قوموں کو متاثر کیا۔ خود عرب ان کی تہذیب سے اثر پذیر نہیں ہوئے۔ یہی سبب ہے کہ فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرت بھی عالمگیر ہوتی رہی۔ اور جہاں جہاں مسلمانوں کا پرچم فتح و نصرت لہرایا۔ وہاں مسجدیں تعمیر ہو کر آباد ہوئیں۔ حق کے غلغلوں سے وہاں کی فضا گونج اٹھی اور تمام لوگ اسلامی تہذیب و تمدن کے رنگ میں رنگے گئے۔ قرآن کی زبان عربی کو فروغ ہوا۔ تمام ممالک محروسہ میں قرآن و حدیث کے درس کیلئے مکاتب قائم ہو گئے۔ (باقی)

ماہنامہ

"ندائے حرم" دہلی

- تاریخی اور مذہبی معلومات کا نادر مجموعہ۔
- حقائق و بصائر کا علمی خزانہ۔
- اسلام اور مرکز اسلام کے نام پر نئی نسل کیلئے توحید عمل کا داعی۔
- مرکزی تنظیم کی دعوت دینے والا ماہنامہ۔
- بارہ ماہ میں پانچسو صفحات
- مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے محسنین و معاونین کے لئے مفت

سالانہ چندہ تین روپے۔ رعایتی عمر۔ طلباء سے عمر، ممالک غیر سے، شلنگ

پتہ:۔ منیجر ماہنامہ "ندائے حرم" دہلی قرول باغ